علمی سرقہ وانتحال اوراس سے تحفظ کے قانونی، فقہی واخلاقی ضوابط

The Legal, Juristic and Ethical Imperatives against Academic Plagiarism

ڈاکٹر محمد فیروزالدین شاہ کھگہ*

Abstract

Since the new tools of research have been proliferated in the academic circles, a rapid tendency of plagiarism and piracy has also emerged and increasingly observed in universities and in research institutions. To attain the protection of researcher's thoughts, books, literary expressions, scientist's patents and masterpieces of an artist, constitutional steps like copyright law has been regularized throughout the civilized world. An ethical obligation compels a researcher to refrain this repulsive crime while exploring the true knowledge. Experts of Islamic jurisprudence have also declared plagiarism an unjustifiable act and have forbidden authors to attribute and present others' researches to their names. This paper is meant to highlight different shapes and forms of plagiarism with the aim to discourage this ugly phenomenon. History of copyright and intellectual property right, status of joint venture in research, its etiquettes and ethical liabilities attaining the originality have been particularly touched in the article.

علمی سرقہ (Plagiarism) کا مفہوم:

اخلاقی اقدار زندگی کے ہر شعبے میں ایک ناگزیر تقاضا سمجھی جاتی ہیں لیکن جب معاشرتی سطح پر ان کی گراوٹ کا گراف نیچے آتا ہے تو اپنی لپیٹ میں زندگی کے ان پہلوؤں کو بھی لیتا ہے جو اخلاق وتہذیب کے وجود میں لانے کا سبب بنتے ہیں، یہاں تک کہ خالص علمی سرگرمیوں پر بھی یہ صورتحال اثرانداز ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا تصور بھی کرتے ہوئے حیرت وتعجب ہوتا ہے کہ علم ومعرفت کے لئے مخصوص اداروں اور مکاتب وجامعات میں علمی اوراخلاقی روایات کو تہ وبالا کیا جاتا ہے، یہ دراصل ذہنی سطحیت اور اخلاقی کم مائیگی کی وہ کیفیت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور زوال متصور نہیں ہو سکتا۔ علم وتحقیق کے میدان میں کسی پیشرو محقق کے نتائج فکر کو اپنا بنا کر پیش کرنا یا اس کے الفاظ کو اپنے نام منسوب کرنا سرقہ کہلاتا ہے،

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا۔

جس کو عربی میں "الانتحال العلمی" اورانگریزی میں Plagiarism کہتے ہیں۔ Joseph Gibaldi نے MLA Style Manual and Guide میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> "Using another person's ideas or expressions in your writing without acknowledging the source constitutes plagiarism. Derived from the Latin *plagiarius* (kidnapper), plagiarism refers to a form of intellectual theft".[1]

یعنی کسی کے خیالات واحساسات کو اپنی تحریر میں اس کا شکریہ یا مصدر کی نسبت ظاہر کئے بغیر استعمال کرنا سرقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، Plagiarism کا لفظ لاطینی زبان میں Plagiarius سے ماخوذ ہے جو کہ ایک طرح سے فکری مواد کی چوری کے لئے بولا جاتا ہے۔

اسی نوعیت کی مزید تعریفات معمولی پیرائے کی تبدیلی کے ساتھ دیگر محققین کے ہاں بھی ملتی ہیں، مثلا K. Dey نے Plagiarism کسی کے خیال، ایجاد اور تحریر وغیرہ کو جزوی یا کلی طور پر دوبارہ اس طرح استعمال کرنے سے تعبیر کیا ہے کہ نہ ہی اس میں موزوں حوالہ اور نہ کسی مصدر ومرجع کا ذکر ہو، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "Plagiarism leads to the use of writings, ideas, innovations, etc. of others and reuse of them (partially or completely) without proper citation and reference to the source".[2]

انتحال کامفہوم:

جبکہ عربی لفظ 'انتحال' بھی کسی کے قول یاشعر کو اپنی طرف منسوب کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، ابن منظور لسان العرب میں اس کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "انتحل فلان شعر فلان او قال فلان اذا ادعاه انه قائله وتنحله ادعاه وهو لغيره۔ونحله القول ينحله نحلا: نسبه إليه. ونحلته القول أنحله نحلا، بالفتح: إذا أضفت إليه قولا قاله غيره وادعيته عليه۔۔۔ويقال: نحل الشاعر قصيدة: إذا نسبت إليه وهي من قيل غيره"[3]

> "یعنی انتحل فلان شعر فلان کا معنی ہے کہ جب کوئی یہ دعوی کرے کہ وہ اس کا قائل ہے حالانکہ وہ شعر اس کا نہ ہو، نحلہ القول اور نحلتہ القول اس وقت بولا جاتا ہے جب کسی دوسرے کا کہا ہوا قول اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے اپنے ہونے کا دعوی

کیا جاتا ہے۔۔۔۔اسی ضمن میں نحل الشاعر قصیدۃ اس وقت کہا جاتا ہے جب شعر کسی کا ہو اور اس کو اپنی طرف منسوب کرلیا جائے"

البتہ اب انتحال کی اصطلاح محض شعر یا قول کی دوسرے کی طرف نسبت تک محدود نہیں رہی بلکہ مروجہ علمی سرقہ کی تمام صورتوں کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

علمی سرقہ / انتحال کی چند صورتیں:

علمی سرقہ کی متعدد شکلیں ہوسکتیں ہیں، یہاں ان سب کا تتبع نہیں بلکہ چند مروجہ شکلوں سے بحث مقصود ہے، Beasley نے اپنے ایک مقالہ میں انتحال کی چار اہم صورتیں بیان کی ہیں:

1. **انتحال اتفاقی(Accidental Plagiarism):** بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی ادارے میں تحقیق کے دوران محقق استعمال کئے گئے مراجع سے استشہاد کے اصولوں، علمی سرقہ کے تصور یا مراجع تحقیق کے مناسب استعمال اور طریقوں سے مکمل واقفیت نہ ہونے کی بنا پر انتحال واقع ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں بعض اوقات ایسے نتائج اتفاقی طور پر برآمد ہوتے ہیں جو دوسروں کے نتائج کے مماثل بھی آجاتے ہیں، لیکن چونکہ مراجع کا استعمال اور ان سے استشہاد موزوں طریق پر نہیں ہوتا، اس لئے ایسے نتائج تحقیق بھی انتحال کے زمرے میں آتے ہیں، اگرچہ ایسا حادثاتی طور پر ہوتا ہے۔
2. **انتحال بلاقصد(Unintentional Plagiarism):** اس سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات ایک جیسے نتائج فکر اور معلومات جو کسی دوسرے محقق کی جانب سے بھی پیش کئے جاچکے ہوں ،مواد اور معلومات کی کثرت مقدار کی وجہ سے دوبارہ سامنے آجاتے ہیں، لیکن ایسا سب کچھ بلاارادہ ہوتا ہے۔
3. **انتحال بالقصد(Intentional Plagiarism) :** یعنی کسی کے تحقیقی کام کو جزوی یا کلی اعتبار سے بالقصد (جانتے بوجھتے ہوئے) حوالہ دئے بغیر نقل کرنا۔
4. **انتحال شخصی(Self-Plagiarism):** اس سرقہ سے مراد یہ ہے کہ ایک محقق اپنے ہی کسی مطبوعہ کام کو کسی دوسرے عنوان یا جزوی تبدیلی سے از سر نو پیش کرے۔[4]

بقول گیان چند دوسروں کی ذہنی پیداوار مثلاً دلائل، سوچنے کے خطوط وغیرہ کو اپنا بنا کر پیش کرنا بھی سرقہ ہے، عاریت سے سرقے تک کئی منزلیں ہیں۔ خیال کی مماثلت لازماً سرقہ نہیں۔ فقروں کی مماثلت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مظروف خیال بعد کے مصنف نے پیشتر کے مصنف سے اڑایا

ہے۔ اگر الفاظ اور مفہوم دونوں بالکل یا بہت کچھ ملتے ہوں اور ان کا اعتراف نہ کیا گیا ہو تو وہ سرقہ ہے۔ سیرس نے سرقے کی تین قسمیں کی ہیں:

1. لفظ بہ لفظ چوری۔
2. Patch Work Quilt یعنی ایسا لحاف جس کا ابرہ مختلف کپڑوں کی پیوندوں کو سی کر تیار کیا گیا ہو، مراد ہے جابجا دوسروں کے جملے لے کر چپکا دینا۔
3. دوسروں کی دریافتوں کا اپنے الفاظ میں خلاصہ کر دینا۔ آخر الذکر میں اگر ماخذ کا اعتراف کر لیا جائے تو سرقہ نہیں۔ماخذ کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں سرقہ ہے۔ [5]

کسی کے الفاظ، مفاہیم، پیش کردہ افکار، خاکہ تحقیق، مقالہ (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ)، ویب سایٹ، انٹرنیٹ اور تمام الیکٹرونک مآخذ کو حوالہ دئے بغیر براہ راست کاپی (نقل) کرنا۔ دوسروں کی عبارات اور الفاظ سے مصدر ذکر کئے بغیر کلی استفادہ، یعنی کسی منقول اقتباس یا قول کی نسبت ظاہر کئے بغیر نقل کرنا۔دوسروں کے تحقیقاتی کام سے معمولی حذف واضافہ کر کے استفادہ کرنا۔ تحقیق مقالات میں ایسے مراجع ومصادر کا ذکر کرنا، جن کو محقق نے اپنے مطالعہ میں شامل ہی نہیں رکھا۔ مختلف کتب سے بغیر حوالہ متفرق اجزاء کو مربوط ومرتب صورت میں ایک عنوان کے تحت پیش کر دینا، جس سے وہ ایک نیا کام معلوم ہونے لگے، یہ سب صورتیں سرقہ کے زمرے میں آتی ہیں۔

اگرچہ سرقہ کے سدباب کے لئے بھی متعدد سافٹ ویئرز [6] وجود میں آگئے ہیں تاہم اس کی پہچان کے لئے ڈاکٹر گیان چند نے جو اصول بیان کیا ہے، زیادہ موزوں اور احتیاط کے قریب تر معلوم ہوتا ہے، ان کے بقول:

> ''سرقے کی گرفت محض وسعت مطالعہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ اگر کسی خام کار لکھنے والے نے کوئی بہت پختہ تخلیق شائع کی ہے تو اس پر بجا طور پر شک کیا جا سکتا ہے لیکن شافی ثبوت وہی ہے جب اصل ماخذ دریافت کر کے سامنے رکھ دیا جائے۔'' [7]

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سرقے اور علمی خیانت کی تاریخ کافی پرانی ہے، اور اس میں مدار دراصل اخلاص اور تربیت واخلاق ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی اس نوعیت کے مسائل کا پتہ چلتا ہے، امام أبو بكر الخوارزمي (م 383ھ) نے ایک خط میں لکھا ہے "ومن آفة العلم خيانة الورّاقين"۔ [8] یعنی علم کی ایک آفت وراقین کی خیانت ہے۔ البتہ جدید علمی ذرائع انٹرنیٹ وغیرہ کے استعمال نے تو اس مسئلہ کی سنگینی

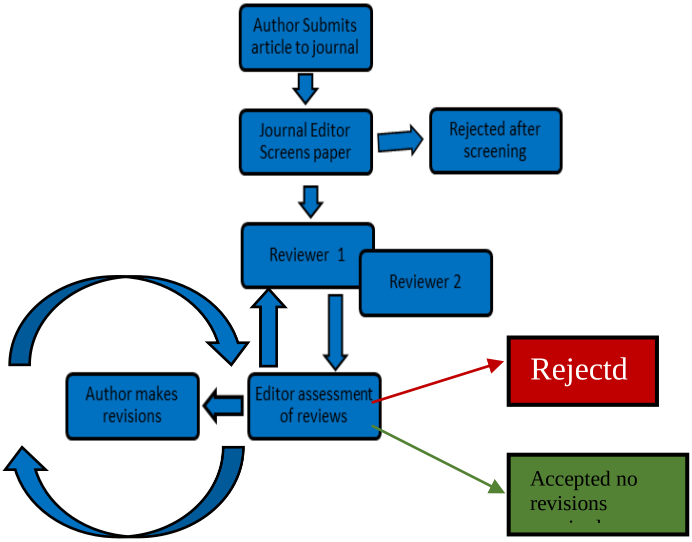
کو دوچند کر دیا ہے، ان مشینی اختراعات نے جہاں ایک طرف تحقیقی عمل میں پیش آنے والی بے شمار مشکلات اور پیچیدگیوں کو حل کرنے میں معاونت فراہم کی ہے ،وہیں ان ایجادات نے طبائع میں سہولت پسندی اور تساہلانہ رویے بھی پیدا کئے ہیں،خالص علمی ذوق ، عرق ریزی اور فحص و جستجو کی خوبیوں سے متصف محققین کی جگہ اب غیر محتاط، تیز رفتاراور سطحی قسم کی مشینی طرز تحقیق نے لے لی ہے۔ بالخصوص محدود مدتی جامعاتی تحقیقات میں نقل اور علمی سرقے کا رجحان روزافزوں ہے، اب تو نسخ و لصق(Copy & Past) پر مبنی یہ صورتحال ایک آفت کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

دوسری طرف نہ صرف مغرب بلکہ پاکستان میں ہائر ایجوکیشن کمیشن نے جامعات اور تحقیقی اداروں میں اساتذہ اور محققین کی ترقی کا مدار کسی حد تک ان کے مطبوعہ تحقیقی مقالوں کی بنیاد پر رکھا ہے، چنانچہ مسابقت کی ایک فضا مشاہدے میں آتی ہے، ہر ایک کی خواہش اور جدوجہد اسی منزل کا کم سے کم وقت میں حصول قرار پاتی ہے، اس طرح بحث و تحقیق کی سرعت کے سبب اکتشافات جدیدہ کی صورت میں علمی سرگرمیوں میں جہاں مثبت ہوش ربا تیزی کا رجحان نظر آتا ہے؛ وہیں ان مراحل میں بے ضابطگیوں کا بھی انکشاف ہوتا ہے،اس تحقیقی سیل رواں میں کچھ سکالرز جو علوم میں خالص استعداد سے محروم ہوتے ہیں ،جائز ناجائز طریقوں سے اس صف میں گھس جاتے ہیں اور تحقیقی مقالات کی ایک معتدبہ تعداد کے مؤلف و محقق بن جاتے ہیں۔

حالانکہ یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ "ہر تحقیق سے پہلے کچھ تحقیق موجود ہوتی ہے، بعد کے تحقیق کار کو ماضی کی تحقیق یعنی پہلے سے موجود مواد کو پرکھنا، پھٹکنا، چھاننا ہوتا ہے ۔ مواد کی فراہمی اور تسوید کے درمیان کی منزل ہے مواد کا جائزہ لینا، پایہ اعتبار متعین کرنا اور تصحیح کرنا۔ یہی تحقیق کا مرکزی کام ہے، تحقیق کار کا علمی سرمایہ جتنا کثیر اور اس کی نظر جتنی تیز و عمیق ہوتی ہے اسی اعتبار سے وہ اپنے حاصل مطالعہ کا بہتر تجزیہ وقدر پیمائی کر سکتا ہے۔ماضی کے مواد کی صحت متعین کرنے کے لئے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ لکھنے یا بیان کرنے والا راوی کون ہے اور کتنا معتبر ہے۔"[9]

معاصر علمی دنیا میں ایک علمی اور سائنسی تحقیق ایک باقاعدہ Process سے ہو کر پایہ اعتبار حاصل کر پاتی ہے، اس سارے رسمیاتی عمل کو سطور ذیل میں ایک نقشہ کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔نقشہ ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات مبرہن ہوتی ہے کہ ابتدائی خیال سے لے کر ایجاد یا تصنیف کے وجود پذیر ہونے تک ، ہر ہر قدم پر فریب کا امکان اور گنجائش موجود ہے۔ اس خیانت اور فریب سے بچنے کے

لیے سائنسدانوں نے تحقیقی مقالات کو جانچنے کا عمل وضع کیا ہے جو اداراتی اصطلاح میں (Peer Review) یعنی "تحقیقی مقالہ کا جانچنا" کہلاتا ہے۔



تحقیقی مقالہ کے جانچنے کے لئے (Peer Review) کے عمل کا تصویری خاکہ[10]

کسی تحقیقی مقالہ کے جانچنے کے طریقہ کار کو تصویری خاکہ میں دکھایا گیا ہے کہ سب سے پہلے ایک مصنف اپنا تحقیقی مقالہ جرنل میں جمع کرتا ہے، پھر ایڈیٹر کا تحقیقی مقالہ کو جانچنا، تقییم کے لئے تحقیقی مقالہ کو کم از کم 2 تنقید نگاروں کی طرف بھیجنا، تنقید نگاروں کی طرف سے تنقید کو مرتب کرنا، ایڈیٹر انچیف کو رائے دینا، جس میں مقالہ سے متعلق حتمی رائے پیش کی جاتی ہے کہ آیا تحقیقی مقالہ منظور ہے یا نہیں، منظوری کی صورت میں اس کی طباعت کا مرحلہ آتا ہے۔

یونیورسٹی سطح پر اور سائنسی تحقیقاتی اداروں میں تقرر کے لئے درخواست گذار کے لکھے ہوئے مطبوعہ تحقیقی مقالہ جات کو خاص اہمیت سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سائنسدان محقق نے کتنے حقِ سندِ ایجاد (Patents) رجسٹرڈ کروائے ہیں، کتنے ریسرچ جرنلز میں تحقیقی مقالے لکھے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ حکومتی اداروں اور بین الاقوامی فنڈنگ اداروں سے پیسوں کے حصول کے لیے بھی یہ تحقیقی مقالے ہی معیار ہوتے ہیں، نیز محکماتی ترقی کے لیے بھی ان تحقیقی مقالوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ

ہائر ایجوکیشن کمیشن نے اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر کے مناصب پر فائز ہونے کی اہلیت جانچنے کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے کہ مخصوص تعداد میں (جو کہ ایسوسی ایٹ پروفیسر کے لئے 10 اور پروفیسر کے لئے 15) تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہوں۔ اس ضمن میں ہر تحقیق کار کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اعلی معیار کے تحقیقی مقالے لکھے؛ البتہ کچھ لوگ ان میں ایسے بھی شامل ہوتے ہیں جو کہ پروفیشنل طور پر تحقیق و فنون میں اتنے مضبوط نہیں ہوتے، لہٰذا وہ لوگ کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی طریقے سے تحقیقی مقالہ شائع ہو جائے۔ اس کے لیے وہ پیسے دے کر بھی تحقیقی مقالے شائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نیز وہ تحقیقی مقالے چھاپنے میں اپنے اثر ورسوخ کو بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان سب کوششوں کا بنیادی مقصد اگلے گریڈ میں ترقی اور پذیرائی حاصل کرنا ہوتا ہے۔[11] علم و تحقیق کے میدان میں سب سے زیادہ اہمیت (weightage) حقِ سندِ ایجاد کو دی جاتی ہے، پھر تحقیقی مجلہ میں طبع ہونے والے مقالہ کو اور پھر کانفرنس میں پیش کئے جانے والے تحقیقی مقالہ کو اہم گردانا جاتا ہے۔

حقِ تصنیف وطباعت اور حقِ ایجاد وغیرہ کی قانونی وعرفی حیثیت:

حقوق کی جدید صورتوں میں معنوی حقوق، ذہنی حقوق، ادبی حقوق، فکری حقوق، حقوق ابتکار، ادبی، فنی اور صناعتی ملکیت، تجارتی نام اور حق تصنیف وطبع، حقِ ایجاد وحق اختراع وغیرہ کو باقاعدہ طور پر قانونی حیثیت حاصل ہوچکی ہے، اور تسلیم کرلیا گیا ہے کہ انسانی فکر وخیال حضرت انسان کی ملکیت (Intellectual Property) میں شامل ہے۔ چنانچہ دور حاضر میں شخصی حقوق کی مختلف قسمیں وجود پذیر ہوگئی ہیں جو حقیقت میں "اعیان" نہیں ہیں۔ لیکن بازاروں میں خرید وفروخت کے ذریعہ ان کا لین دین رائج ہے۔ وضعی قوانین نے ان میں سے بعض حقوق کی فروختگی کی اجازت دی ہے اور بعض کی فروخت ممنوع قرار دی ہے لیکن بازار اس طرح کے معاملات سے بھرے ہوئے ہیں، مثلا مکانات اور دکانوں کی پگڑی، مخصوص تجارتی نام یا ٹریڈ مارک (Trade Mark) یا تجارتی لائسنس کا استعمال، اور وہ حقوق جن کو آج کی زبان میں ذہنی، ادبی، فنی ملکیت کے حقوق کہا جاتا ہے مثلا حق تصنیف واشاعت، حق ایجاد، آرٹسٹ کا اپنے ایجاد کردہ آرٹوں میں حق۔[12]

فکری ملکیت:

فکری ملکیت (Intellectual Property) سے مراد ایک شخص کا غیر مادی چیز پر حق ہے جو اُس کے اپنے ذہن یا اس کے فکر وخیال کے ثمرہ اور نتیجہ پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے کسی مؤلف کا حق اس کی مؤلفات پر، ایک موجد کا اس کی اختراع وایجاد پر اور یہی حق ایک فنکار کو اپنی جدید فنی پیش کش پر حاصل ہوتا ہے۔ اِن

معنوی حقوق میں تاجر کے حق میں اس کا تجارتی نام اور تجارتی علامت یعنی ٹریڈ مارک (Trade Mark) بھی داخل ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ فکری یا ذہنی خیال جو کہ معنوی اور غیر محسوس انسانی ذہن کے نتائج پر مشتمل ہوتا ہے ایک امتیازی حیثیت کی حامل چیز ہے۔ انسانی شخصی احترام اور قانونی مطالعات اس ضمن میں ہر شخص کے ذہنی ثمراتِ فکر کے حق کو ضرورتاً تسلیم کرتا ہے۔ موجودہ دور میں اکتشافات وایجادات میں ارتقاء کے سبب اس حق کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، حتی کہ اس حق نے اب ایک مستقل حیثیت اختیار کرلی ہے چنانچہ حقوق کی تقسیم اور درجات میں حقوقِ عینیہ، حقوقِ شخصیہ کے ساتھ ساتھ اب حقوقِ معنویہ کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔[13]

حق ایجاد اور اس کا مقصد:

اسی طرح حق ایجاد (Patent) ایک ایسا حق ہے جو عرف اور قانون کی بنیاد پر اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے کوئی نئی چیز ایجاد کی ہو یا کسی چیز کی نئی شکل ایجاد کی ہو،[14] حق ایجاد کا مطلب یہ ہے کہ تنہا اسی شخص کو اپنی ایجاد کردہ چیز بنانے اور منڈی میں پیش کرنے کا حق ہے پھر بسا اوقات ایجاد کرنے والا یہ حق دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے تو اس حق کو خریدنے والا ایجاد کرنے والے کی طرح تجارت کے لئے وہ چیز تیار کرتا ہے، اسی طرح جس شخص نے کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کی ہے اسے اس کتاب کی نشرواشاعت اور تجارتی نفع حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے، بسا اوقات کتاب لکھنے والا یہ حق دوسرے کے ہاتھ بیچ دیتا ہے تو اس حق کا خریدار نشرواشاعت کے بارے میں ان حقوق کا مالک ہو جاتا ہے، جو مصنف کتاب کو حاصل تھا۔[15]

سندِ حقِ ایجاد (patents) کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی اور کو اس کی اجازت لئے بغیر اس ایجاد کے کسی بھی طرح کے استعمال اور خرید وفروخت سے باز رکھا جاسکے۔ جب کوئی محقق یا سائنسدان کوئی ایجاد کرتا ہے تو وہ اپنی اس ایجاد کو ترقی یافتہ ممالک میں اپنے حقِ ایجاد کی حیثیت سے رجسٹرڈ کراتا ہے، تاکہ اس کے منافع اور فوائد اس محقق کو یا اس ادارے کو جس نے اس ایجاد کو مراحل سے گذار کر ایک مادی صورت میں دنیا کے فائدے لے لئے پیش کیا ہے، حاصل ہو سکیں۔

کاپی رائٹ کا مفہوم:

اس لئے اس محقق، مصنف یا موجد کو کاپی رائٹ (Copyright) کے نام سے ایک قانونی حق مل جاتا ہے ۔ولیم ایس۔ سٹرانگ (William S. Strong) نے شکاگو مینوئل آف سٹائل میں کاپی رائٹ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"Whenever a book or article, poem or lecture, database or drama comes into the world, it is automatically covered by copyright so long as it is "fixed" in some "tangible" form and embodies original expression. The term tangible applies to more than paper and traditional media; it includes things such as electronic memory. A copyrightable work is "fixed" as long as it is stored in some manner that is not purely transitory. Thus an e-mail message that is stored in the sender's computer is fixed and copyrightable, but an extemporaneous lecture that is broadcast without being recorded is not."[16]

یعنی جب بھی کوئی کتاب یا مقالہ، نظم یا کوئی محاضرہ، کوئی معلوماتی ذخیرہ یاڈرامہ دنیا میں منصہ شہود پر آتا ہے، اس کو خود بخود کاپی رائٹ حاصل ہو جاتے ہیں بشرطیکہ سامنے آنے والی چیز "Fixed" یعنی اس کو کسی ایسے طریقے سے محفوظ کر لیا گیا ہو کہ وہ آسانی سے منتقل نہ ہو سکے اور "tangible" ہو یعنی ایسی مادی شکل میں ہو جو اصلی اور ذاتی وصف کی حامل ہو، اس میں صرف کاغذ یا روایتی میڈیا وغیرہ ہی نہیں بلکہ برقیاتی محفوظ شدہ اشیاء (electronic memory) بھی شامل ہیں، چنانچہ ایک ای میل پیغام جو ارسال کرنے والے کے کمپیوٹر میں محفوظ ہے وہ Fixed اور کاپی رائٹ کا حامل ہے، لیکن ایک فی البدیہ محاضرہ (Lecture) جو کہ ریکارڈنگ کے بغیر پیش کیا گیا ہو، کاپی رائٹ کا حامل نہ ہوگا۔ (کیونکہ وہ Fixed اور Tangible صورت میں نہیں آسکا)۔

کاپی رائٹ لاء کا تاریخی پس منظر:

تاریخی اعتبار سے کاپی رائٹ کے قانون وضع کرنے کا سبب قدیم آئرلینڈ سے جوڑا جاتا ہے، جہاں Royal Irish Academy Dublin, میں کیتھک آف سینٹ کولمبا (The Cathach of St. Columba) کا قدیم ترین مجموعہ مخطوط صورت میں محفوظ ہے، جس میں زبور کے کچھ حصے شامل ہیں، جن کے توضیحی اشارات بھی ہر Psalm کے شروع میں دئے گئے ہیں، اس قدیم ترین آئرش مخطوطے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دراصل کاپی شدہ زبوری نسخہ ہے جو ایک رات میں جلدی جلدی معجزاتی

روشنیوں تلے لکھا گیا۔یہ نسخہ حقیقت میں سینٹ فی نیئین (St. Finnian) کی ملکیت تھا اور سینٹ کولمبا(م 597ء)نے بطور قرض حاصل کیا تھا، اس واقعہ کا علم ہوتے ہی نسخہ کی ملکیت کے حوالہ سے ایک نزاع اٹھ کھڑا ہوا، چنانچہ معاملہ حاکم وقت کے پاس گیا جس کا نام Diarmait Mac Cerbhail تھا،اس نے کسی ملکیتی نسخہ کتاب کے نقل ہونے پر ایک تاریخی فیصلہ سنایا، اس کے مطابق "جیسے ہر بچھڑا گائے کا ہے اسی طرح ہر نقل اس کی کتاب کی طرف راجع ہو گی"،اس کے الفاظ انگریزی زبان میں معمولی تغیر کے ساتھ اس طرح بیان کئے جاتے ہیں:

"To every cow belongs her calf, therefore to every book belongs its copy.[17]"

اسی نزاع نے اس قدر طول پکڑا کہ اس کے نتیجہ میں ایک جنگ ہوئی، اس جنگ کو تاریخ نے (Battle of the Book)،یعنی کتاب کی جنگ سے یاد رکھا ہے، یہ جنگ چھٹی صدی عیسوی میں شمال مغربی آئر لینڈ میں لڑی گئی، تاریخی لحاظ سے دنیا میں کاپی رائٹ کے عنوان سے یہ قدیم ترین آویزش تھی۔[18]

اسی بنیاد پر کتاب کی نقل ونسخ پر اجازت طلبی کا اہتمام محسوس کیا جانے لگا، جبکہ 1450 عیسوی میں طباعت کا رواج ہوا، تب اس کی قانونی حیثیت کی ضرورت کا سوال آیا، پھر جب دنیا میں کسی ایک ملک سے دوسرے ملک میں کوئی تصنیف منتقل ہوتی ،وہاں اس کو نئے سرے سے چھاپ کر کام چلایا جاتا تھا، اس لیے سوئٹزرلینڈ میں ایک معاہدہ (Berne Convention 1886) ہوا، جس میں کتابوں کی اس بلا اجازت اشاعت کو سرقہ قرار دیا گیا، اوراس عمل پر پابندی لگادی گئی۔ بعد ازاں برطانیہ، اور دنیا کے دیگر ممالک نے بھی اس حوالہ سے کاپی رائٹ قانون کی منظوری دی، اس وقت دنیا بھر کے تقریبا تمام آزاد ممالک میں یہ قانون بطور حق موجود ہے۔یہ بھی واضح رہے کہ یہ حق کسی کتاب، مقالہ یا رسالہ وغیرہ کے مؤلف یا ناشر کو قانونی طور پر ایک خاص اور محدود مدت کے لیے حاصل ہوتا ہے اور اس کی رو سے اس کے سوا کوئی بھی اس کی طباعت یا اشاعت نہیں کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے فروخت کر سکتا ہے۔اس مدت کی تعیین بھی مختلف ممالک میں مختلف ہے، چنانچہ برطانیہ میں مصنف کے لئے یہ حق اسکی وفات تک اور بعد ازوفات 70 سال[19]،امریکہ میں بھی اس قانون میں 1978 کی ترمیم کے بعد 70 سال بعد ازوفات تک مقرر کی گئی،[20] پاکستان میں[21] بعد ازوفات 50 سال تک متعین ہے۔[22]

حقِ تصنیف وطباعت اور حقِ ایجاد وغیرہ کی شرعی حیثیت:

معاصر محققین علماء نے باقاعدہ بحث کی ہے کہ حق مصنف اور حق ایجاد کو تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ نیز اسی بنیاد پر ان حقوق کی خرید وفروخت جائز شمار ہوگی یا نہیں؟، اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حقِ تصنیف وطباعت اور حقِ ایجاد کی خرید وفروخت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء معاصرین کی دورائیں ہیں، کچھ علماء نے حقِ تصنیف فروخت کرنے کو جائز اور کچھ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک بنیادی سوال بھی اٹھایا ہے کہ کیا حق ایجاد یا حق اشاعت شریعت اسلامیہ کی طرف سے تسلیم شدہ حق ہے یا نہیں؟[23] اس سوال کے جواب میں انہوں نے جو تحقیق پیش کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے کوئی نئ چیز ایجاد کی، خواہ وہ مادی چیز ہو یا معنوی چیز، بلاشبہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اسے اپنے انتفاع کے لئے تیار کرنے اور نفع کمانے کے لئے بازار میں لانے کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ ابو داؤد میں حضرت اسمر بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر بیعت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اس چیز کی طرف سبقت کی، جس کی طرف کسی مسلمان نے سبقت نہیں کی تو وہ چیز اس کی ہے،[24] اگرچہ علامہ مناویؒ نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اُفتادہ زمین کو قابلِ کاشت بنانے کے حوالے سے وارد ہوئی ہے لیکن ساتھ ہی بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ ہر چشمے، کنویں اور زمینی خزانے کو بھی شامل ہے اور جس نے بھی ان میں سے کسی چیز کی طرف سبقت کی تو وہ اُسی کا حق ہے اور یہ بھی اُصولی بات ہے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، سبب کے خاص ہونے کا نہیں[25]، جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حقِ ایجاد ایک ایسا حق ہے جسے اسلامی شریعت اس بنیاد پر تسلیم کرتی ہے کہ اس شخص نے اس چیز کے ایجاد کرنے میں سبقت کی ہے تو حقِ ایجاد پر حقِ اسبقیت کے سارے احکام منطبق ہوں گے، اور یہ ثابت ہے کہ بعض شافعیہ اور حنابلہ نے اس حق کی بیع کو جائز کہا ہے، اگرچہ راجح یہی ہے کہ حقِ اسبقیت کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن مال کے بدلے میں اس حق سے دستبردار ہونا جائز ہے، اس تفصیل کا تقاضہ یہ ہے کہ حقِ ایجاد یا اشاعت سے عوض لے کر دوسرے شخص کے حق میں دستبردار ہونا جائز ہے۔ ساتھ ہی مفتی محمد تقی عثمانی نے اس حق کی خرید وفروخت کی جواز کی ایک اور وجہ ترجیح بھی لکھی ہے:

> "یہ حکم اصل حقِ ایجاد اور حقِ اشاعت کے سلسلے میں ہے لیکن اگر اس حق کا حکومتی رجسٹریشن بھی کروالیا ہو جس کے لئے موجد اور مصنف کو محنت کرنی پڑتی ہے، مال اور

وقت خرچ کرنا پڑتا ہے اور جس کی وجہ سے یہ حق ایک قانونی حق ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں حکومت کی طرف سے ایک سرٹیفیکیٹ جاری کر دیا جاتا ہے اور تاجروں کے عرف میں اسے قیمتی مال شمار کیا جاتا ہے تو یہ بات بعید نہیں ہو گی کہ اس رجسٹرڈ حق کو مروجہ عرف کی بنیاد پر اعیان واموال کے حکم میں کر دیا جائے۔۔۔ بعض اشیاء کو اموال واعیان کے حکم میں داخل کرنے میں عرف کو بڑا دخل ہے اس لئے کہ مالیت لوگوں کے مال بنانے سے ثابت ہوتی ہے اور رجسٹریشن کے بعد اعیان کی طرح اس حق کا احراز بھی ہوتا ہے اور وقتِ ضرورت کے لئے اس کا ذخیرہ بھی کیا جاتا ہے تو اس عرف کا اعتبار کرنے میں کتاب وسنت کے کسی نص کی ممانعت نہیں ہے، بہت سے بہت قیاس کی مخالفت ہے اور قیاس کو عرف کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔"[26]

عدم جواز کے دلائل کا تجزیہ:

مقالات کی خرید وفروخت کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ جن محققین کے تحقیقی مقالات طباعت کے لئے منظور ہوتے ہیں، وہ مخصوص علمی اور تحقیقی اداروں سے منسلک ناشرین(Publishers) کی وساطت سے منظرِ عام پر آتے ہیں، اس حوالے سے جو اشاعتی ادارے اس وقت دنیا میں ایک معروف اور مستند مقام رکھتے ہیں ،نیز برقیاتی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے ہیں ، ان میں (IEEE[27], Elsevier[28], Springer[29], Wiley[30], Inderscience[31], ACM[32] etc.)وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ ہر محقق، ناشر کو کاپی رائٹ(copy right) منتقل کرتا ہے، بعدازاں وہ ناشر اس تحقیقی مقالے کو کچھ رقم کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔

اسی طرح مصنفین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا اس کو شائع نہ کر سکے، شرعاًیہ رجسٹری جائز ہے یا نہیں؟ آیا اس حق تصنیف یا حق ایجاد کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایسی بحث ہے جو فقہاء کے مابین مختلف فیہ رہی ہے، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ[33] میں ایک استفتاء کے جواب میں اس کے عدم جواز سے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ البتہ اس ضمن میں اسلامی فقہ اکیڈمی کا معنوی حقوق کے متعلق اجلاس ہوا جس میں مندرجہ ذیل فیصلہ کیا گیا کہ تالیف اور ایجاد اور ابتکار کے حقوق شرعی طور پر محفوظ اور ان کا خیال رکھا گیا ہے، ان کا حق رکھنے والوں کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی دوسرے کے لیے زیادتی کرنے کا حق نہیں[34]. مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی اس کے جواز پر ایک مقالہ

بعنوان "بیع الحقوق المجردۃ" لکھاہے، اس مقالہ میں حقِ ایجاد اور حقِ تصنیف کی خرید وفروخت سے متعلق عدمِ جواز کے لئے پیش کی جانی والی مختلف دلیلوں کاناقدانہ تجزیہ بھی پیش کیا گیاہے۔

عدم جواز کے قائلین کا یہ موقف کہ حقِ ایجاد مجرد حق ہے، عین نہیں ہے اور حقوقِ مجردہ کا عوض لینا جائز نہیں ہے، ایسی دلیل ہے جس سے متعلق فقہاء کے تفصیلی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق کا عوض لینے کا عدمِ جواز ہر حال میں نہیں ہے۔[35] مانعین جواز کی دوسری دلیل کہ کتاب کے خریدار کو اس میں کلی تصرف کا حق ہے اوراُس پر پابندی لگانے کا کسی کو اختیار نہ ہوناچاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز میں تصرف الگ چیز ہے اور اُس کی مثل دوسری چیز بنانااور چیز ہے، اس کی مثال حکومت کے ڈھالے ہوئے سکے ہیں ان سکوں کو اگر کسی نے خریدا تو وہ ان سکوں میں ہر طرح کا تصرف کر سکتاہے لیکن اس خریداری کی وجہ سے اُس کے لئے اِس طرح کے دوسرے سکے ڈھالنا جائز نہیں ہو گا۔[36] مانعین جواز کی تیسری دلیل ہے کہ ایجاد کردہ چیز کو تیار کرنے اور تصنیف کردہ کتاب کو طبع کرنے سے موجد اور مصنف کا نفع کم ہو جاتا ہے، خسارہ نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفع کم ہونا اگرچہ خسارہ نہ ہو، ضرر تو بہر حال ہے، موجد یا مصنف نے اپنے کام کو سرانجام دینے کے لئے جسمانی اور ذہنی مشقتیں جھیلیں، بے پناہ مال اور وقت صرف کیا، اس کے لئے راتوں کو جاگا، راحت وآرام قربان کیا، وہ اس ایجاد اور اس کتاب سے نفع حاصل کرنے کا اُس شخص سے زیادہ حقدار ہے جس نے معمولی سی رقم خرچ کر کے وہ ایجاد شدہ چیز یا کتاب خرید لی اور پھر موجد یا مصنف کے لئے مارکیٹ کے دوازے تنگ کرنے لگا۔[37]

مانعین کی یہ دلیل کہ فردِ واحد کے لئے حقِ اشاعت تسلیم کرلینا، کتمانِ علم کا سبب بنتاہے بالکل درست نہیں ہے کیونکہ مصنف لوگوں کو کتاب پڑھنے پڑھانے، اسے دوسروں تک پہنچانے سے نہیں روکتا، نہ ہی اس کی تبلیغ سے روکتاہے، بلکہ حقیقت میں وہ فروخت اور تجارت سے بھی نہیں روکتا، وہ تو صرف اس بات سے روکتاہے کہ کوئی شخص اس کی اجازت کے بغیر کتاب طبع کرکے نفع اٹھائے۔[38] مانعین جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حقِ طباعت محفوظ کرنے سے کتاب کی اشاعت کا دائرہ تنگ ہو جاتاہے اور افادیت محدود ہو کر رہ جاتی ہے، یہ اعتراض اگرچہ امرِ واقعہ ہے تاہم اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ایجاد کرنے والوں کو اپنی ایجاد سے نفع حاصل کرنے میں اسبقیت کے حق سے محروم کر دیا جائے گا تو نئی ایجادات کے لئے بڑے منصوبوں کا خطرہ مول لینے سے ان کی ہمتیں پست ہو جائیں گی کیونکہ اُن کو احساس ہو گا کہ اُنہیں اِس کا معمولی نفع ہی ملے گا۔[39] الغرض ان دلائل کا جائزہ لینے سے حقوق طبع کے جواز کا قول ہی راجح ہے، جواز کے

قول کو درست قرار دینے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ عصر حاضر میں عمومی طور پر امانت و دیانت میں کمی کا مشاہدہ ہے، اس سبب سے اس بات کا اندیشہ بہر حال موجود ہے کہ کوئی اور ناشر اصل کتاب میں کمی بیشی یا تحریف لفظی و معنوی کر کے شائع کر دے اور اس کے مصنف کی طرف وہ کچھ منسوب کر دے جو اس نے لکھا ہی نہیں۔

مشترکہ علمی کاوش کی شرعی حیثیت:

تحقیقی اخلاقیات میں ایک اہم مسئلہ مشترکہ تالیف یا مشترکہ علمی کاوش کا ہے جس سے مراد ایسی تحقیق ہے جس کو پیش کرنے میں ایک سے زیادہ محقق شریک ہوں، عموماً سائنسی اور فنی نوع کی تحقیقات میں ایک سے زیادہ محققین کے اشتراکِ عمل سے مقالات منظرِ عام پر آتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات فنی اُمور میں ایک سے زیادہ پہلوؤں سے مہارتوں کی ضرورت پڑتی ہے، مثال کے طور پر گانے یا ڈرامے کی پروڈکشن میں مختلف قسم کی متخصصانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کے اشتراکِ عمل کی احتیاج ہوتی ہے[40]۔ اسی طرح میزائل ٹیکنالوجی کی اختراع اور بنیاد سے لے کر اس کے اطلاقی مراحل تک کئی طرح کی مختلف صلاحیتوں کے حامل سائنسدانوں کی ضرورت ہوتی ہے گویا نظری اور تحقیقی بنیادوں میں کسی ماہرِ کیمیاء کی خدمات اگر شامل ہیں تو ساتھ ہی ماہر علومِ طبیعیات اور قابل حساب دان کی شرکت بھی ناگزیر ہو گی۔

مشترکہ تالیف کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ موضوعِ زیرِ بحث میں ایک سے زیادہ محققین کی ایک ہی فن میں تخصص (Specialization) ہو اور وہ کسی چیز کو پیش کرنے میں ایک ہی طرح کی کاوش میں برابر طور پر شامل رہے ہوں یعنی ان کے باہمی اشتراکِ عمل کو جدا نہ کیا جا سکتا ہو مثال کے طور پر کسی ایک نظریے پر ان کی مشترکہ بحث کے نتیجہ میں کوئی تحقیق سامنے آئے اور تمام محققین اس نظریے کے بارے میں اتفاقِ رائے رکھتے ہوں اور باہمی اختلاف سے محفوظ رہیں تو یہ ایسا عمل ہو گا جس میں کسی ایک کی کاوش کو دوسرے کی کاوش سے جدا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی تالیف میں شریکِ کار محققین کا کردار ایک دوسرے سے ممیز ہو یعنی ایک ہی عمل میں کئی طرح کی مہارتوں کی ضرورت کی بناء پر مختلف علوم کے ماہرین ایک کام کو سر انجام دیں اس طرح کہ ایک کے کام میں دوسرے کی مداخلت نہ ہو، اس صورت میں ہر ایک کے کام کی اپنی انفرادی حیثیت بھی برقرار رہتی ہے لیکن مجموعی طور پر ایک ہی کام میں مشترک بھی قرار پائیں گے۔ اس کو "تالیف جماعی" بھی کہا جاتا ہے۔[41]

مشترکہ تحقیقی کاوش (Joint Academic Venture) کے حوالہ سے اصول یہ ہے کہ مقالہ کی بنیاد میں ایک سکالر کی فکر اور دوسرے کی اس میں اجنبی مراجع ومنابع سے اقتباسات کا ترجمہ یا جمع آوری میں مددشامل ہو، یا دونوں محققین نے باہمی بحث ومباحثہ کے ذریعہ موضوع کی مختلف جہات کا حل پیش کیا ہو، یا اسی نوعیت کا باقاعدہ علمی حصہ ہو جو مختلف صورتوں میں ہو سکتا ہے، جیسے مقالہ نگار اور نگران مقالہ کا وغیرہ، تو ایسی مشترکہ کاوش یقینا حوصلہ افزا ہے، لہذا چند محققین اگر مل جائیں اور کسی نہ کسی نوعیت میں ہونے والی تحقیق میں اپنا حصہ ڈال دیں تو ایک دوسرے کا نام تحقیقی مقالے میں ڈال سکتے ہیں۔

لیکن بعض اوقات ایک دوسرے پر احسان کرنے کے لیے ایک شخص کا اپنے تحقیقی مقالے میں نام شامل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ بعض پروفیسرز حضرات اور سائنسدان، تحقیقی مقالوں کے اندر ایک دوسرے کے نام ڈالتے ہیں؛ جبکہ اس سائنسدان یا پروفیسر نے اس تحقیقی مقالے کے اندر کوئی کام نہیں کیا ہوتا، یہ شرعی طور پر خیانت شمار ہوگا اور ایک قسم کا دھوکہ اور جھوٹ کا گناہ بھی لازم ہوگا۔ اسی طرح کسی ساتھی کی مدد کرنے کی نیت سے اس کا نام تحقیقی مقالے میں ڈالنے کی قانوناً گنجائش ہو تو ڈال سکتے ہیں یا پھر مقالہ میں اس سے کچھ کام لیا جائے؛ تاکہ جھوٹ لازم نہ آئے۔ کسی ادارے کی بااثر شخصیت کا نام، مثلا صدر شعبہ (Head of Department)، ڈین (Dean) وغیرہ کا نام تعلقات بڑھانے کی خاطر تحقیقی مقالے میں ڈالنے کا معاملہ یہ ہے کہ اگر قانوناً اجازت ہو تو ڈالنے کی گنجائش ہے، جبکہ دھوکہ اور جھوٹ نہ ہو۔ اسی ضمن میں یہ صورت بھی آتی ہے کہ بیرون ملک کے کسی پروفیسر یا سائنسدان کا نام فنڈز حاصل کرنے کے لیے تحقیقی مقالے میں ڈالا جائے، وہ بھی اوپر بیان کردہ شرط کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے۔[42]

شرعاً ایک وقت میں ایک تحقیقی مقالہ دو یا دو سے زیادہ مجلات میں جمع کرواسکتے ہیں؛ اگر پبلشرز اس کی اجازت دیں؟ لیکن چونکہ معیاری تحقیقی مجلات واضح طور پر یہ شرط لگاتے ہیں کہ طباعت کیلئے ارسال کردہ مقالہ اس سے قبل کہیں طبع ہوا ہو اور نہ ہی وہ مقالہ کسی اور مجلہ میں اس مقصد کے لئے بھیجا جا چکا ہو، ایسی صورت میں ایک سے زائد مجلات میں مضمون بھیجنا اخلاقاً بھی جائز نہ ہوگا۔

خلاصہ بحث:

یقینا اس بات میں تو کوئی عیب نہیں کہ کسی محقق اور عالم کی فکر ودانش سے استفادہ کیا جائے یا اس کی تالیف وتصنیف سے کوئی اقتباس پیش کرتے ہوئے اس کو پوری امانت اور احتیاط کے ساتھ نقل کرکے بغیر کسی اغماض، تلبیس وتدلیس کے حوالہ دے دیا جائے، اس لحاظ سے غور کیا جائے تو اقتباس دو طرح کا ہوتا ہے:

- کسی تصنیف و تالیف سے حرف بحرف اقتباس لیا جائے، اس اقتباس کو "اقتباس حرفی" کا نام دیا جاسکتا ہے۔
- کسی محقق یا مؤلف کی فکر سے استفادہ کیا جائے، اس کو "اقتباس فکری" کہا جاسکتا ہے۔
- واضح رہے کہ دونوں قسموں کے اقتباس کا حوالہ دینا اور اس کے اصل کی طرف منسوب کرنا علمی دیانتداری کا لازمہ ہے اور شریعت اسلامیہ کا بھی تقاضا ہے، کیونکہ اس کا لحاظ نہ رکھنا اور کسی کے کلام یا فکر کو کسی بھی طرح اپنا ظاہر کرنا فریب اور سرقہ وخیانت ہے۔ لہذا کسی کے متن یا فکر سے اقتباس کا حوالہ دینا "شرعی اقتباس" ہے اور اقتباس لے کر مصدر کی جانب اشارہ نہ کرنا "غیر شرعی اقتباس" ہو گا، اور یہی مؤخر الذکر علمی سرقہ یا "انتحال" کہلائے گا۔ کیونکہ یہ دوسروں کے فکری حقوق وملکیت کا غصب ہے۔

لازم ہے کہ محقق اپنی تحقیق کو ہر طرح کے غیر اخلاقی فعل سے محفوظ رکھے ، بالخصوص سرقہ (Plagiarism) سے پاک رہے ، علمی امانت داری کا تقاضا ہے کہ ہر نقل اور اقتباس کا حوالہ ضرور دیا جائے، اسی طرح ہر نص اور عبارت کو صحیح طریقے سے بغیر حذف واضافہ کے نقل کیا جائے، اس کو عرب محققین " نقل النصوص بصحتها " کے اصول سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح محقق جب معلومات نقل کر لے تو ان کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف صحیح طریقے سے کی جائے۔ اس اصول کو "النسبۃ الصحیحۃ الی قائلها" کہا جاتا ہے ، کیونکہ سچ محقق کا اصل ہتھیار ہوتا ہے اور اسی کی یافت ہی تحقیق کا مقصود اصلی ہے، گیان چند نے ٹھیک لکھا ہے کہ:

> "سچ ایک بہت بڑی طاقت ہے جو لوگ اس طاقت کے ہتھیار سے لیس ہوتے ہیں ان کی عظمت سے کسی کو انکار نہیں ہوتا۔ یہ ایک مسلک، ایک ذہنی رویہ، ایک طرز زندگی ہے، یہ سچ کا سودا ہے، محقق کو ہمیشہ سچا اور کھرا رہنا چاہیے، چاہے وہ تحریر میں ہو اور چاہے روزمرہ معاملات میں۔۔۔ محقق اک بلند اور اعلیٰ حیثیت کا حامل ومالک ہوتا ہے۔ اسے غیر محققانہ کردار کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ لہٰذا کسی دوسرے محقق کی دریافت کو بغیر حوالے کے قطعی نہیں اپنانا اور استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسا عمل سرقہ بازی کے زمرے میں آتا ہے اور یہ محقق کی شان کے خلاف ہے۔"[43]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ کا اختتام حسن الوزان کے قول سے کیا جائے، جس نے منتحلین یا سرقہ بازوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"التهمة تظل خلفهم حتى ولو كتبوا اجمل الاشياء"[44]

"تہمت ایسے لوگوں کا پیچھا کبھی نہیں چھوڑتی بھلے وہ کتنی ہی خوبصورت تحریریں لکھ ڈالیں"

حواشی وحوالہ جات:

1 Joseph Gibaldi, *MLA Style Manual and Guide to Scholarly Publishing* (New York: MLA, 1998), 151.

2 K. Dey and M.A. Sobhan, *Impact of Unethical Practices of Plagiarism on Learning, Teaching and Research in Higher Education: Some Combating Strategies* (ITHET: 2006) pp. 1-6. - See more at: http: //www.Plagiarism checker.net/plagiarism-detection .php #_ftn2.

[3] ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (بیروت: دار صادر، 2003ء) ج 14، ص 213۔

[4] James Douglas Beasley, 'The Impact of Technology on Plagiarism Prevention and Detection', *Plagiarism: Prevention, Practice and Policies 2004 Conference*. Also See for more detail: Hermann Maurer, Frank Kappe & Bilal Zaka, 'Plagiarism - A Survey', *Journal of Universal Computer Science,* vol. 12, no. 8 (2006), p. 1051.

[5] ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، 1994ء)، ص202

[6] مختلف سافٹ ویئرز جو کہ سرقہ وغیرہ کی آزمائش کے لئے مروج ہیں، ان میں زیادہ معروف Turnitin، Plagscan، Urkund، Check for Plagiarism، Ithenticate اور Plagiarism checker software وغیرہ ہیں۔ واضح رہے کہ یہ سافٹ ویئرز لفظی سرقہ کی نشاندہی تو کسی حد تک کرلیتے ہیں، لیکن فکر وخیال کو پکڑنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

[7] ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن، ص202۔

[8] أبو بكر الخوارزمي، رسائل أبي بكر الخوارزمي (بيروت: منشورات دار مكتبة الحياة، 1970)، ص150۔

[9] گیان چند، تحقیق کا فن، ص188۔

[10] 'Peer Review: The Nuts and Bolts', *Sense about Science*. Accessed January 25th, 2015. http://www.senseaboutscience.org/pages/peer-review-the-nuts-and-bolts.html.

[11] تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، عصر حاضر کی سائنسی تحقیق اور متعلقہ اسلامی احکام، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 11، جلد: 98، محرم الحرام 1436 ہجری مطابق نومبر 2014ء۔

[12]مفتی محمد تقی عثمانی، حقوق مجردہ کی خرید وفروخت، در "فقہی مقالات" (نیو دہلی: فرید بک ڈپو، 2003) ج1، ص159۔

[13] تفصیل کے لئے دیکھئے: د۔عبدالرزاق السنہوری، الوسیط، حق الملکیة (مصر: دار النهضة العربية، 1991) جزء 8، ص347۔ د۔عبدالرشيد مامون، ابحاث فی حق المؤلف (مصر: دارالنهضة، 1978) ص151۔ حسام محمود لطفی، حقوق المؤلف فی ضوء آراء الفقه واحكام القضاء: دراسة تحليلية للقانون المصری (القاهرة: 1999 دار النهضة العربية) ص26۔

[14]تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: Jointly published and edited by European Commission (DG Research) and the European Patent Office © 2007, Photos: © European Patent Office, gettyimages, Design: EPO Desktop Publishing۔ جبکہ Patent کے بارے میں مزید معلومات حسب ذیل برقیاتی پتوں سے مل سکتی ہیں:

National patent offices: www.epo.org/focus/ip-webguide/ IP office sme mbers. htm , European Patent Office: www.epo.org, other patent information pro ducts: www.epo.org/patent information and PATLIB Centers (Patent information, technology watch) :www.epo.org/ patents/ patent-information/patlib.html

[15] مفتی محمد تقی عثمانی، حقوق مضردہ کی خرید وفروخت، در "فقہی مقالات" (نیو دہلی: فرید بک ڈپو، 2003) ج1، ص224۔

[16] S. Strong, William. 'Copyright Law and the Licensing of Rights', *The Chicago Manual of Style: The Essential Guide for Writers, Editors, and Publishers,* 157. 16th ed. Chicago: University of Chicago Press, 2010.

[17]کاپی رائٹ کی تاریخ وارتقاء کے مطالعہ کے لئے درج ذیل کتب اور مقالات ملاحظہ کیجئے:

1. Streibich, Harold C., *The Moral Right of Ownership to Intellectual Property: Part I - From the Beginning to the Age of Printing,* 6 Mem. St. U. L. Rev. 1 (1975-1976)

2.Masterson,Salathiel C. 'Copyright: History and Development', *California Law Review* (1940): 620-632.

3. Bettig, Ronald V., *Copyrighting Culture: The Political Economy of Intellectual Property*. Boulder (Colorado: Westview Press, 1996) p. 11.

[18] *The Battle of the Books.* (2000, August). Ductus: *Newsletter of the Lochac College of Scribes,* 6, pp. 3-4., and Bowker, R. R.، *Copyright: Its history and its law: Being a summary of the principles and practice of copyright with special reference to the American Code of 1909 and the British Act of 1991* (Boston and New York: Houghton Mifflin Company, 1912).

[19] Copyright term for sound recordings increases from 50 to 70 years today. See *Music Week* (London: Intent Media), November 1, 2013.

[20]'Lasting for the author's life plus an additional 70 years', See US Copyright Office · Library of Congress · 101 Independence Avenue SE ·

Washington, DC 20559-6000 · www.copyright.gov, U.S. government printing office, 2011.

[21] *The Copyright Ordinance, 1962 & Copyright Amendment Act, 1992.*

[22] کاپی رائٹ قانون کے تحت رجسٹریشن اور اس سے متعلق دیگر تفصیلات کے لئے گورنمنٹ آف پاکستان کے ذیلی ادارے Intellectual Property Organization of Pakistan (IPO) کی سرکاری ویب سائٹ http://ipo.gov.pk/copyright/Default .aspx ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

[23] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: تقی عثمانی، فقہی مقالات، حقوق مجردہ کی خرید وفروخت، ص224۔

[24] ابو داؤد، السنن، باب فی الخراج قبیل احیاء الموات، ج4، ص264، حدیث نمبر 2947، بحوالہ تقی عثمانی، فقہی مقالات، ص224۔

[25] مناوی، فیض القدیر، ج6، ص138 بحوالہ فقہی مقالات، ص224۔

[26] انہی پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے معاصرین علماء کی ایک جماعت نے اس حق کی بیع کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اِن میں سے برصغیر کے علماء میں سے مولانا فتح محمد لکھنوی (مولانا عبد الحیٔ لکھنوی کے شاگرد)، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا مفتی نظام الدین صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند، مفتی عبد الرحیم لاج پوری صاحب بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، حقوق مجردہ کی خرید وفروخت، ص224 -225۔

[27] The Institute of Electrical and Electronics Engineers is a professional association with its corporate office in New York City and its operations center in Piscataway, New Jersey. See https://www.ieee.org/

[28] www.elsevier.com/

[29] www.springer.com/gp

[30] http://eu.wiley.com/WileyCDA/

[31] Inderscience is a well-known Publisher of distinguished academic, scientific and professional journals publishing since 1979, See http://www.inderscience.com/.

[32] Association for Computing Machinery, advancing computing as a science and profession. See http://www.acm.org/

[33] دیکھئے: مفتی محمد شفیع، اباحۃ التقطیف من ثمرات الصنعۃ والتالیف یعنی حقِ تصنیف اور حقِ ایجاد کی شرعی حیثیت، درجواہر الفقہ (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، 2010ء) جلد چہارم، ص445 تا 451۔

[34] مجلۃ المجمع، عدد نمبر (5) ج 3 ، ص2267۔

[35] مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، حقوق مجردہ کی خرید وفروخت، ص226۔

[36] ایضاً۔

[37] ایضاً۔

[38] ایضاً، ص227۔

[39] تفصیل مزید کیلئے ملاحظہ ہو: تقی عثمانی، فقہی مقالات، حقوق مجردہ کی خرید وفروخت، ص226-227 ملخصاً۔

[40] تفصیل کے لئے دیکھئے: د۔ عبد الرشید مامون، ابحاث فی حق المؤلف، ص 5، اور د۔ حسام لطفی، حقوق المؤلف فی ضوء آراء الفقه واحكام القضاء، ص 29۔

[41] دیکھئے: د۔ توفیق حسن فرج، المدخل للعلوم القانونية (الاسكندرية: مؤسسة الثقافة الجامعية، 1981) ص540۔

[42] اس موضوع سے متعلق مزید تفصیل ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، عصر حاضر کی سائنسی تحقیق اور متعلقہ اسلامی احکام، ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 11، جلد: 98 ، محرم الحرام 1436 ہجری مطابق نومبر 2014ء، میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جس میں انہوں نے سوال وجواب کی صورت میں اس نوعیت کے چند مسائل کا جواب پیش کیا ہے۔

[43] تفصیل کے لئے دیکھئے: گیان چند، تحقیق کا فن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1903) ص39 تا47۔

[44] حسن الوزانی، جريدة "الاتحاد الاشتراكي، العدد 7971، الجمعة۔۔فی "مجلة أقلام الثقافية."

June 24, 2005. Accessed January 25, 2015. http://www. aklaam.net / newaqlam / aqlam/show.php?id=4652.